ہندوستان کی مشترکہ تہذیبی وراثت

کلیدی الفاظ: # ہندوستان # تہذیبی # وراثت

اعلم شمس، اسسٹنٹ پروفیسر
شعبۂ اردو، ذاکر حسین دہلی کالج
(دہلی یونیورسٹی)

تلخیص:

ہندوستان ایک عظیم ملک ہے اس کی عظمت کی داستان تاریخ میں بکھری پڑی ہے یہ ملک ہمیشہ سے مختلف اقوام کی آماجگاہ رہا ہے اور یہاں سبھی قومیں آپس میں مل جل کر رہتی چلی آئی ہیں۔ مسلمان جب اس ملک میں آئے تو یہاں کے باشندوں نے انھیں یہاں رہنے کی جگہ دی۔ مسلمان ہندوستان میں ۱۲ء داخل ہوئے سندھ اور ملتان میں انھوں نے حکومت قائم کی جبکہ تاجر کی حیثیت سے مسلمان جنوبی ہند میں پہلے سے آتے رہے تھے آٹھویں صدی اور اس کے بعد وہ مالابار کے ساحلوں سے لے کہ گجرات تک آکر بستے رہے ہیں اسی وقت سے اسلامی تہذیب اور ہندو تہذیب کا باہمی تاثیر و تاثر کا معاملہ شروع ہو گیا اور اس کی پہچان یہ ہے کہ سندھی، گجراتی اور دراوڑی زبانوں میں عربی کے الفاظ بہت بڑی تعداد میں ملتے ہیں۔ گیارھویں صدی کے آخر تک مسلمانوں نے ہندوؤں کی تہذیب کو اپنانا شروع کر لیا تھا لیکن تیرھویں صدی میں سلطنت دہلی کے قیام سے اس مشترکہ تہذیب کے فرغ کو جلا ملنا شروع ہو گئی۔ مسلم حکمرانوں نے پہلے تو اسلامی طرز کی حکومت قائم کرنی چاہی لیکن مختلف وجوہ سے ان کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی حالانکہ حالات مسلمانوں کے ہندوؤں میں یا ہندوؤں کے مسلمانوں میں جذب ہو جانے کے لئے سازگار نہیں

تھے لیکن انھوں نے رفتہ رفتہ دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے اور ایک دوسرے سے متاثر ہونے پر مجبور کر دیا اور چند صدی کے بعد ہندوستان کے سیاسی اور تہذیبی مسئلے کو حل کرنے کی ایک نئی صورت پیدا کی۔

جب ہم ہندوستان کے اجتماعی ذہن کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ فلسفیانہ افکار، مذہبی عقائد رسم ورواج، حیات اجتماعی کا شعور، انفرادی زندگی کا ادراک، تصورات وتخیلات کے خاکے، رسا طبیعتوں کا ظہور انسانی اقدار کا تحفظ جیسے جن تصوری عناصر نے ہندوستان کے ذہن پر اثر ڈالا وہ سب کے سب خود ہندوستان کی سرزمین میں پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ ان میں زیادہ تر باہر سے آئے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان عناصر نے ہندوستان کی مختلف جماعتوں اور گروہوں کو مختلف انداز میں مختلف حد تک متاثر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں مختلف مذاہب اور تہذیبیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ان کا ایک حصہ ایسا بھی تھا جو ذہن اجتماعی میں جذب ہو گیا اور ملک کی سب جماعتوں اور سب تہذیبوں میں مشترک بن گیا۔ ہندوستان کی تہذیبی تاریخ پر اگر آپ غور کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ ہندوستان میں جب بھی باہر سے کوئی نیا نظام فکر داخل ہوا تو وقتی طور پر تو باہمی اختلافات پیدا ہوئے لیکن اس کے ساتھ ہندوستانی ذہن نے اپنا کثرت میں وحدت پیدا کرنے کا عمل شروع کر دیا اور ایک مدت کے بعد مختلف عناصر تہذیب نے ایک حد تک امتزاج پیدا کر کے ایک مشترکہ تہذیب کی بنیاد قائم کر دی۔

تہذیبی اور تمدنی ارتقاء کا عمل اتنا پیچیدہ اور اتنے مختلف عناصر پر مشتمل ہوتا کہ اس کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ دنیا کی کسی ترقی یافتہ تہذیب کو لیجیے، اگر چہ وہ بظاہر مکمل اکائی محسوس ہوتی ہے لیکن جب گہرائی سے دیکھیں گے تو اس میں مختلف عناصر مختلف تاریخی اسباب کی کارفرمائی اور مخصوص حالات کے نتائج ایک دوسرے سے اس طرح باہم مشترک نظر آئیں گے کہ اس کی ساری انفرادیت محض اوپری معلوم ہوگی۔ وہ چاہے یونان کی عظمت رفتہ کی داستان ہو یا عظیم الشان رومی سلطنت کی تاریخ مصر کے اہرام کا قصہ ہو یا بابل ونینوا کے افسانے، چین وجاپان کا تمدن ہو یا قدیم ہندوستان اور ایران کی تہذیب۔

ہندوستان کی قدیم تہذیب میں آریوں سے قبل وادی سندھ کی تہذیب، آریائی دیدک تہذیب، شمالی مغربی سرحد سے یونانی اثرات، کشان، شاک اور دوسری غیر ملکی اقوام کے توسط سے ہندوستان پہنچنے والے تہذیبی عناصر، مقامی غیر آریا نیم مہذب قبائل اور اقوام کی روایات ہندوستان کی کلاسیکی ہندو تہذیب کی شکل میں نئی اسلامی تہذیب کے ساتھ مل کر تمام تہذیبوں کی مشترکہ وراثت کے ساتھ مشترکہ ہندوستانی تہذیب کی صورت میں وجود میں آئی۔

ہندوستان کی تہذیبی تاریخ کو بھی ہم تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔(۱) عہد قدیم جو ڈیڑھ ہزار قبل مسیح سے لے کر آٹھویں صدی تک چلتا ہے۔(۲) عہد وسطی جو انیسویں صدی کے وسط تک چلتا ہے۔(۳) اور عہد جدید جو اب تک جاری ہے۔ ہندوستانی
تہذیبوں کا اجمالی خاکہ ڈاکٹر سید عابد حسین نے اس طرح بیان کیا:

''عہد قدیم کے کوئی ہزار سال گزرنے کے بعد ہندوستان میں پہلی بار ایک قومی تہذیب کی تاسیس ہوئی یعنی ویدک تہذیب کی اور اس ویدک تہذیب اور ہندوستان کی قدیم ترین تہذیبوں کے میل جول سے ایک ہندو تہذیب وجود میں آئی۔ کچھ عرصہ بعد اس تہذیب کے بعض پہلوؤں کے خلاف ایک شدید ردعمل ہوا اور بودھ مذہب نے ہندو مذہب کو مقرب کر کے ایک نئی قومی تہذیب بنانے کی کوشش کی۔ اس میں شک نہیں کہ بودھ مذہب نے ہندوستان کے ذہن اور زندگی پر بہت گہرا اثر ڈالا۔ لیکن جو تہذیب اس کی بنیاد پر تعمیر ہوئی وہ صرف تھوڑے ہی عرصے کے لیے قومی تہذیب بن سکی۔ اس کے بعد عہد قدیم کے آخر میں مختلف تہذیبوں کے ملنے سے قومی تہذیب کی تاسیس کا عمل پھر ایک بار واقع ہوا یعنی بودھ مت کے زوال کے بعد برہمنوں کا دوبارہ عروج ہوا اور انھوں نے قومی تہذیب کے منتشر عناصر کو سمیٹ کر پورانک ہندو تہذیب قائم کی۔ عہد وسطی میں مسلمانوں کے آنے سے بہت پہلے ہندوستان کی تہذیبی زندگی کا شیرازہ پھر بکھر گیا۔ دہلی کی سلطنت قائم ہونے کے بعد ترکیب و امتزاج کا عمل از سر نو آہستہ آہستہ پھر شروع ہوا اور مغلوں کے زمانے تک ہندو مسلم یا ہندوستانی قومی تہذیب کی عمارت کھڑی ہوگئی۔''

مشترکہ تہذیبی وراثت کی لو سے مذہبی رواداری کی روشنی پھیلنے کے متعلق ڈاکٹر سید محمد عقیل لکھتے ہیں:

''کسی قوم یا کسی تہذیب کا وجود بغیر اس جذباتی ہم آہنگی، اتحاد اور یگانگت کے ممکن نہیں جو کسی تاریخی دور کے ایک مخصوص کلچر کے اندرونی حصوں میں گڈمڈ ہو کر بہا کرتی ہیں۔ اس بات کو ذہن میں رکھ کر جب ہندوستان کے تہذیبی ورثے کا مطالعہ کیا جائے تو نیگرائڈ پرٹو آسٹر لائیڈ، دراوڑ، آریائی اور بعد کی اسلامی، تاتاری تمام تہذیبی تبدلیاں ایک مخصوص وقت میں یہی نتیجے برآمد کرتی تھیں۔ قومیت، قومی یکجہتی، جذباتی ہم آہنگی، ہم جو نام چاہیں اسے دے لیں مگر مختلف دور میں انسانوں میں میل جول، ایک ساتھ مل جل کر اپنے مسائل کا حل ڈھونڈنے، طبقات کی زندگی میں اونچ نیچ یا سیاسی زبردستیوں سے آزاد ہونے کے لیے اسی خیال، فکری، جذباتی اور معاشرتی یکجہتی کی ضرورت پڑتی رہی ہے جب اس ہم خیالی کا دائرہ تنگ ہو کر صرف فرقوں تک محدود ہو جاتا ہے تو یہیں سے فرقہ پرستی اور تعصب کی بھی ابتداء ہو سکتی ہے اور اگر وسیع ہو کر ایک خطہ ارض پر محیط ہو جاتا ہے تو ایک جغرافیائی حدود کے اندر رہنے والوں کی نمائندگی ہونے لگتی ہے، جسے موسیقی، مصوری فن تعمیر، ادب، لباس، رسم و رواج اور فکر و نظر کے اتار چڑھاؤں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ہندوستان میں یہ صورت ہڑپا مہنجد ارو سے لے کر پاٹلی پتر، اجنتا، ایلورا، کھجراہو، تاج محل، لال قلعہ، نانک، کبیر، ریداس، جائسی، معین الدین چشتی، فرید گنج شکر، پران ناتھ، بھگتی اور پریم مارگ، اکبر، جہانگیر، خسرو، داراشکوہ اور اردو زبان میں دیکھی جا سکتی ہے۔''

مشترکہ ہندوستانی تہذیب وہ خاموش بہتا ہوا دریا ہے جس میں دو دھارے آپس میں مل گئے ہیں۔ اس میں ایک دھارا ہندو تہذیب کا ہے جو آریوں کے آنے کے ساتھ ہی وسط ایشیا کے اثرات ساتھ میں لایا تھا اور یہاں کی دراوڑی تہذیب سے مل کر ایک مکمل تہذیب کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ دوسرا دھارا اسلامی تہذیب کا ہے جو عربی، ایرانی اور ترکی اثرات لے کر ہندستان میں آٹھویں صدی میں بہنے لگا تھا۔ لیکن گیارہویں صدی کے آخر میں کچھ تیز ہو کر تیرہویں صدی میں پورے زور و شور کے ساتھ شمال سے جنوب کی طرف بڑھنے لگا۔ دونوں دھاروں کے ملنے سے جو تہذیب پروان چڑھی اس کو کبھی تو ہند اسلامی تہذیب کہا گیا کبھی ہند ایرانی کبھی گنگا جمنی اور کبھی مشترکہ تہذیب کہا گیا۔ نام چاہے جو رکھ دیجیے لیکن یہ بات بالکل واضح ہے دونوں تہذیبوں نے ایک دوسرے پر زبردست اثر کیا۔ اس کو تفصیل سے جاننے کے لیے ڈاکٹر تاراچند کی کتاب

''اسلام کا ہندستانی تہذیب پر اثر'' اور ڈاکٹر محمد عمر کی کتاب ''ہندستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر'' اور ڈاکٹر سید عابد کی کتاب ''قومی تہذب کا مسئلہ'' دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ مسلم بادشاہوں نے اس مشترکہ تہذیب کو پروان چڑھانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی خاص کر مغلوں نے اوران میں بھی اکبر نے اس تہذیب کو ایک تناور درخت بنا دیا۔مشترکہ کلچر کو فروغ دینے میں بادشاہوں کی سیاسی مجبوری بھی ہوسکتی ہے لیکن دونوں تہذیبوں کا ایک دوسرے پر جو اثر ہوا اس میں ان عام لوگوں کا بڑا ہاتھ تھا جو دونوں کے مذہبوں کی ایک روح ہونے اور مشترکہ زبان کے فروغ پانے کی وجہ سے ایک دوسرے کے قریب آئے اور اس اتحاد کو مضبوط کیا۔ان درویشوں، فقیروں اور سادھوسنتوں کا جنھوں نے عوام کے دلوں کو اس تہذیب کی طرف موڑ دیا۔

غرض جذبات اور مصلحتوں کو چھوڑ کر معروضی علمی نقط نظر سے دیکھا جائے تو ہندوؤں اور مسلمانوں کی تہذیبی زندگی کے دھارے جہاں وہ مذہب کے سرچشموں سے نکلتے ہیں ایک دوسرے سے الگ دکھائی دیتے ہیں۔ یہ بھی ہے کہ خود ان دونوں مذہبوں کے سوتے ایک ہی عظیم الشان خزانے سے نکلتے ہیں۔ جو سطح کے نیچے ایک بحر بے کنار کی صورت میں موجزن ہے۔لیکن اس وحدت کا احساس صرف ایک صوفی کو مراقبے کی گہرائیوں میں ہوسکتا ہے اور وہ بھی ایک آنی فانی کیفیت کے طور پر جو چھلاوے کی طرح دل میں جھلک کر چھپ جاتی ہے اور ذہن اسے پکڑنا چاہے تو ہاتھ نہیں آتی۔البتہ جب دونوں دھاروں کو زمانے کی ہوائیں ہندوستان کی سرزمین پر ایک دوسرے کی قریب لے آئیں تو تاریخ اور جغرافیے کی متحدہ قوتیں ان کو ملا کر ایک عظیم الشان دریا بنانے کی کوشش میں مصروف ہوگئیں۔

اور دونوں تہذیبیں ایک دوسرے سے خاص طور پر مذہب اور زبان کے سطح پر متاثر ہوئیں۔

جب اسلام ہندوستان میں داخل ہوا تو ہندو اسلام کے اس بنیادی اصول سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے کہ تمام بنی نوع انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور خدا کی نظر میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہے۔ہندو بہت بڑی تعداد میں اسلام میں داخل ہوئے کیونکہ ہندوستانی سماج ذات پات کی بنیاد پر چار طبقوں میں بٹا ہوا تھا یعنی برہمن، چھتری، ویش اور شودر۔ان میں شودر ہر قسم کے سماجی

حقوق سے محروم تھے لہذا جب انھوں نے اسلام کے مساوات کے عمل کو دیکھا تو وہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔ انھوں نے اسلام کو غیر منصفانہ سماجی قیود سے آزادی کا مترادف سمجھا۔ بڑی تعداد میں ہندوؤں کے مسلمان ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ہندوستان کا مذہب ایک ایسا مذہب تھا جس میں ہزاروں دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی۔ عوام کو مذہبی اصولوں کا علم نہیں تھا اور انکو صرف مذہب کے ظاہری پہلوؤں پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی تھی پھر ان ظاہری اصولوں اور رسم ورواج کو ادا کرنے میں بھی برہمنوں کی اجارہ داری تھی۔ اسلام میں صرف ایک خدا کی عبادت کا تصور تھا۔ ظاہری رسوم بالکل نہ تھے۔ خدا اور بندے کے درمیان کسی دوسرے انسان کی اجارہ داری نہ تھی۔

ہندوؤں اور مسلمانوں میں یگانگی اور اتحاد پیدا کرنے میں مسلم صوفیوں اور سادھو سنتوں نے بہت اہم رول ادا کیا ہے جو بھگتی تحریک کے ذریعہ عمل میں لایا گیا تھا۔ ہندو اور مسلمان جنھوں نے صوفیا اور بھگتوں کی تعلیم سے یہ سمجھ لیا تھا کہ جہاں کو پیدا کرنے والی ذات ایک ہی ہے اور تمام کائنات کے ذرے ذرے میں اس کا جلوہ ہے اور صرف ایک ہی ذات موجود ہے یعنی وحدت الوجود کو جن لوگوں نے سمجھ لیا تھا انھیں بتدیلی مذہب کی ضرورت پیش نہیں آئی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مشترکہ تہذیب کے فروغ میں وحدت الوجود کے مسئلے نے اہم رول ادا کیا ہے۔ محی الدین ابن عربی کا یہ فلسفہ اکبر کے دور میں انتہاء کو پہنچا ہوا تھا کہ مجدد الف ثانی نے وحدۃ الشہود کا فلسفہ پیش کیا اور گویا کہ وحدۃ الوجود کے رتھ کو یہ کہتے ہوئے روک دیا کہ ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں یعنی وحدۃ الوجود صرف ایک منزل ہے اس سے آگے جائیے تو وحدۃ الشہود کی منزل ملے گی جہاں یہ نظر آئے گا کہ ذات واحد ایک ہی ہے باقی تمام کائنات اس کا مظہر ہے اس کا جزو نہیں۔ اقبال بھی جب وحدۃ الوجود پر غور کر رہے تھے تو خاک وطن کا ہر ذرہ انھیں دیوتا نظر آ رہا تھا لیکن انھوں نے بھی بعد کو مجدد الف ثانی کے یہاں پناہ لی۔ بہر حال یہاں اس بحث کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے۔ ہمیں صرف یہ کہنا ہے کہ وحدانیت کا تصور جب اسلام نے پیش کیا تو ہندوؤں کو یہ تصور ویدانت سے ہم آہنگ نظر آیا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کو قریب لانے میں صوفیا اور سادھو سنتوں نے اس مسئلے سے بڑا کام لیا۔ مشترکہ تہذیب نے دو سطحوں پر بڑا فروغ پایا۔ ایک تہواروں

کی سطح پر دوسری رسم ورواج کی سطح۔دونوں سطحوں پر ہندواور مسلمان ایک دوسرے سے بہت متاثر ہوئے۔ ہندوؤں کے خاص تہوار رکھشا بندھن، ہولی اور دیوالی مسلمان بڑی دھوم دھام سے مناتے تھے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد پسندی کے رشتوں کومضبوط کرنے میں راکھی کے تہوار یعنی رکھشا بندھن کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ جب اکبر نے راجپوتوں سے قرابت داری شروع کی تو محل کے ساتھ ساتھ عوام میں بھی ہندواور مسلمان ساتھ ساتھ اس تہوار کو مناتے تھے۔راکھی کوسلونو کا نام اکبر ہی کے زمانے میں دیا گیا۔لہٰذا اکبر کے جانشینوں نے حکومت کا سورج غروب ہونے تک اس تہوار کوخوب شان سے منایا جس سے عوام میں یہ روایت اور زیادہ مضبوط ہوئی۔

ہولی بھی ہندواور مسلمان دونوں مناتے آئے ہیں۔قلعہ معلیٰ میں ہولی کا رنگ جتنا گہرا ہوتا تھا اس سے کہیں زیادہ عوام میں ہولی ہندواور مسلمانوں کو گلے ملاتی تھی۔نیل اور کیسر رنگ کی پچکاریاں بھری جاتی تھیں۔ایک دوسرے پر رنگ چھڑکا جاتا تھا۔مسلمانوں میں تو آج تک شادی بیاہ کے موقعوں پر ہولی میں پوری طرح نہ کھیل پانے کی شاید کسر نکالی جاتی ہے۔ڈاکٹر محمد عمر بادشاہوں، نوابوں، امراؤں اور عام مسلمانوں کی ہولی کھیلنے کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''مختصر یہ ہے کہ مسلم سماج کے ہر طبقے کے لوگوں کی الگ الگ محفلیں منعقد ہوتی تھیں شاہ وگدا بھی ہولی کھیلتے تھے۔''

اردوشاعری میں ہولی پر نظیر کے علاوہ بھی بہت سے شاعروں نے نظمیں لکھی ہیں۔شمال اور جنوب دونوں کے ادب میں ہولی کا بھرپور تذکرہ ملتا ہے۔ہولی کے تہوار کے ساتھ ساتھ منانے سے ہندوستان میں مذہبی رواداری اور سیکولرزم کا زبردست فروغ ہوا۔

دیوالی کا تہوار بھی ہندو مسلمان دھوم دھام سے مناتے تھے۔بقول ڈاکٹر محمد عمر'' دیوالی کے موقع پر دہلی کے تمام باشندے حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی کے مزار پر زیارت کے لیے جایا کرتے تھے اور درگاہ کے قرب وجوار میں واقع چشمے کے چاروں طرف خیمے لگاتے تھے اور اس میں غسل بھی کرتے تھے۔عام طور پر مسلمان اور بالخصوص جاہل مسلمان عورتیں ہندوؤں کی ان تمام رسوم کوادا کرتی تھیں جن کا تعلق دیوالی کے تہوار سے تھا۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ نے سید احمد دہلوی کے حوالے سے لکھا ہے:

''دہلی کے مسلمان رمضان اور عید کی طرح دیوالی کو بھی ایک تہوار گنتے تھے اور اس دن سسرالی رشتوں میں بالکل ہندوؤں کی طرح لین دین کی رسمیں ہوتی تھیں۔ اس زمانے میں ملی جلی معاشرت میں دیوالی کا اثر شب برات کے علاوہ مہندی کی آمد عرسوں کی روشنی اور شادی بیاہ کے جلوسوں وغیرہ میں نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔''

دیوالی کا ذکر بھی اردو شاعری میں خوب ملتا ہے۔ دیوالی کی روشنی شب برات کی روشنی سے مل کر مذہبی رواداری اور سیکولرزم کی دنیا کو خوب روشن کرتی ہے۔

بسنت کا تہوار قلعہ معلیٰ سے لے کر عوام تک بڑی شان وشوکت سے منایا جاتا تھا۔ بسنت پر نظیر اور شاعروں نے بہت نظمیں لکھی ہیں۔

جنم اشٹمی یعنی کنھیا کا جنم ہندوؤں کی طرح مسلمان بھی مناتے تھے۔ جس طرح مسلمان ہندوؤں کے تہواروں میں دلچسپی لیتے تھے اسی طرح ہندو بھی اسلامی روایات اور نظریات کا احترام کرتے تھے۔ محرم کی تقریبات ہندو بڑے زور شور سے

مناتے تھے۔ خاص کر مرہٹے محرم بڑے احترام سے مناتے تھے۔ رتن ناتھ سرشار نے ''فسانہ آزاد میں اور شرر نے گذشتہ لکھنو میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے ساتھ ساتھ محرم بڑی دھوم دھام سے منانے کا ذکر کیا ہے۔ ہندو شعراء نے مراثی بھی لکھے ہیں۔ غرضیکہ اگر مجموعی طور پر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے ہماری مشترکہ تہذیب نے سیاسی زوال کے باوجود محبت رواداری کے رشتے کو مضبوط کر کے سیکولرزم کی بنیادوں کو پختہ کیا ہے۔ معاشرتی سطح پر مشترکہ تہواروں نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور اتحاد پیدا کیا۔ تہواروں کے علاوہ مقامی میلے ٹھیلوں اور تماشوں میں بھی یہی رنگ نمایاں ہے۔ ان میں پھول والوں کی سیر، چھڑیوں کا میلہ، عیش باغ کا میلہ اور بسنت پنچمی کو کالکا جی کے مندر پر لگنے والا میلہ وغیرہ خاص ہیں۔ آگرہ میں تیراکی کے میلہ کے موقع پر بھی ہندو اور مسلمان دونوں جمع ہوتے تھے۔

بہر حال دکن میں بیجاپور گولکنڈہ وغیرہ کی ریاستیں ہوں یا دہلی کا قلعہ معلیٰ یا لکھنو کا دربار یا کشمیر میں زین العابدین کی حکومت یا بنگال میں علاء الدین حسین اور اس کے وارثین کا تخت و تاج۔ وہ چاہے دہلی سلطنت ہو یا مغلیہ حکومت کا عروج و زوال ہر جگہ ہر وقت ہندوستانی مشترکہ

تہذیب ان تہواروں کے ذریعہ پھلتی پھولتی رہی۔

رسم ورواج کی سطح پر بھی مشترکہ تہذیب نے جلا پائی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ہر سم ورواج میں ایک دوسرے کے اثرات ملتے ہیں بلکہ مسلمانوں کی زیادہ تر رسمیں ہندوؤں ہی کی رسموں سے لی گئیں ہیں اگرچہ یہ رسمیں مسلمانوں کے لیے اسلامی تعلیمات کے خلاف تھیں۔ سید احمد دہلوی اپنی کتاب ''رسوم دہلی'' میں لکھتے ہیں:

''پہلے اس سے کہ میں ان رسموں کو شروع کروں۔ اس قدر عرض کر دینا مناسب جانتا ہوں کہ مسلمانوں کی عورتوں اوران کے سبب مردوں میں جس قدر رسمیں مروج ہیں وہ تقریباسب کی سب ہندوانی رسمیں ہیں جن میں سے بہت سی رسمیں توجوں کی توں ہیں۔''

بچہ پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک کی جتنی رسمیں مسلمانوں میں رائج ہیں ان میں زیادہ تر خالص ہندوستانی ہیں۔ وہابی علماء نے مسلمانوں میں جاری ان رسموں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد عقیل لکھتے ہیں:

''ہندوستان دیوی دیوتاؤں اور صنمیات سے دلچسپی رکھنے والا ملک ہے۔ مسلمان جو صرف وحدہ لاشریک کے قائل تھے، جن کے لیے صنمیاتی تہذیب کفر و بدعت کی مترادف تھی، وہ کیسے اس جذبے سے متاثر ہو کر اسے اسلامی شعار میں مدغم کرنے لگے۔ کیونکر انھیں وہ باتیں قابل قبول ہوئیں جن کی اسلام میں نفی کی گئی تھی۔ اس کی وضاحت کے لیے مسلمانوں کے ہندوستانی خاندانوں کی اس روح کو دیکھنا پڑے گا جو ہندو مذہب چھوڑ کر اگرچہ مسلمان ہو گئی تھی مگر ان کے عقیدوں کے لاشعور میں ہندو تہذیب کے بہت سے شعار دبے پڑے تھے جنھیں کسی نہ کسی طرح اسلامی جواز دے کر پھر ان کا اعادہ کیا گیا تھا یہ بات دلچسپ ہے کہ تقریبا تمام توہمات جیسے بلی کا راستہ کاٹ جانا، چھینک سے شگون لینا، نوزائیدہ بچے کے ہاتھ میں تاگا یا بال کا نگنا باندھنا، بچے کی پیدائش کے وقت بکرا ذبح کرنا (بکرا ذبح کرنا ہندوانی رسم نہیں ہے بلکہ عقیقہ کی سنت ہے) شادی بیاہ میں دروازے پر چونے کے ٹیکے لگانا، دلہن کا جلوہ کرنا جو ہندو سنسکار میں سمکشنا کے نام سے موسوم ہے، ٹونے سلونے گانا، چراغ جلتے وقت روشنی کی طرف اشارہ کر کے دعا پڑھنا، یا دعا مانگنا،

ذات پات کے فرق کو ماننا، بیوہ سے عقد نہ کرنا، یا بیوہ کے عقد کرنے کو معیوب جاننا، شاہ سلطان کی لاٹ چڑھانا، بی سجان کی کڑاہی چڑھانا، بی کشٹی کا کونڈہ بھرنا، جس سے مصیبت آسان ہو جائے، ترت پھرت کی پڑیاں، ہٹیلے شاہ کو مرغ چڑھانا، شیخ سدو کا بکرا، سید احمد کبیر کی گائے پالنا، شاہ دریا، صدر جہاں، شیخ سدو اور میلے شاہ کا سر پر سوار ہونا جیسی رسمیں اور عادتیں اور ایقان مسلمانوں میں رائج ہو گئے۔ مندرجہ بالا تمام باتیں مسلمانوں نے ہندوؤں سے اخذ کیں ہیں۔ طویل عرصے سے ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں ایک دوسرے کی رسموں سے مانوس ہو گئے تھے اس سے ان میں آپسی اعتماد اور ہم آہنگی پیدا ہوئی۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے ''رسوم دہلی'' کے مقدمے میں رسم و رواج کو مندرجہ ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) مذہبی رسمیں

(۲) سیکولر رسمیں

(۳) مذہبی سیکولر رسمیں

پہلی طرح کی رسموں کا تعلق مذہب سے ہوتا ہے جیسے مسلمانوں میں نکاح ولیمہ بچوں کے کان میں اذان دینا، عقیقہ، ختنہ، نماز، روزہ، فاتحہ وغیرہ۔ دوسری طرح کی رسمیں وہ ہیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں منائی جاتی ہیں یعنی یہ رسمیں سیکولر ہیں جیسے ستوانسا، نو مانسا، سردانا، رتجگہ رقعہ منگنی، مائیوں بٹھانا، ابٹنا کھیلنا، ساچق، مہندی لگانا، برات، چوتھی، چالے وغیرہ کی رسمیں۔

تیسری طرح کی رسمیں وہ ہیں جو بنیادی طور پر سیکولر ہیں۔ لیکن قرآن شریف رکھ کر یا قرآن شریف کی بعض آیتیں پڑھ کر ان پر تھوڑا سا مذہبی رنگ چڑھا دیا گیا ہے۔ جیسے گھوڑی چڑھانے کی رسم، ہندو بچے کو گھوڑی پر چڑھا کر مندر اور مسلمان مسجد لے جاتے ہیں۔

غرض کہ پیدائش کے وقت کی رسمیں، شادی اور موت کے وقت کی مسلمانوں میں جاری رسمیں زیادہ تر ہندوانی ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں میں ہندوانی رسمیں کیوں پائی جاتی ہیں اس کی سید احمد دہلوی نے ''رسوم دہلی'' میں چار وجہیں بتائیں ہیں۔ پہلی یہ کہ زیادہ تر مسلمان ہندوستان میں اپنی بیویاں لے کر نہیں آئے تھے انھوں نے یہیں شادیاں کیں لہٰذا نو مسلم عورتوں

اور مردوں نے اپنی قدیم رسموں کو جاری رکھا۔ دوسری وجہ یہ کہ مسلمانوں نے ہندوؤں سے ارتباط اور اتحاد کی وجہ سے انسیت پیدا کرنے کے لیے ہندوؤں کے رسم ورواج کو اپنا لیا۔ تیسری وجہ اکبر نے استحکام سلطنت کی وجہ سے ہندی عقائد ومراسم کو اپنا لیا۔ جس کا اثر رعایا پر بھی پڑا۔ اور چوتھا سبب یہ کہ اکبر نے عقد ومناکحت کا سلسلہ راجپوتوں سے جاری کر دیا تھا اور وہ سب کے سب اقوام ہند سے تھے لہذا ہندی رسمیں برابر جاری ہیں۔ بہر حال ان رسموں کے لین دین سے مشترکہ تہذیب پروان چڑھتی رہی اور سیکولرزم کو فروغ ملتا رہا۔

لسانی وعلاقائی یکجہتی

اب رہی بات مشترکہ تہذیب اور زبان کی تو مشترکہ تہذیب کا فروغ زبان کے ذریعہ جتنا ہوا اتنا کسی اور وجہ سے نہیں ہوا۔ لسانی یکجہتی نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے جذبات کو سمجھنے میں مدد کی۔

ہندوستان ایک وسیع وعریض ملک ہے۔ اس لیے یہاں تہذیب کی کثرت اور رنگارنگی ہے۔ مختلف علاقوں میں مختلف انداز کے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ مختلف دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے۔ مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ مختلف تہذیبی قدریں ہیں۔ لیکن اس رنگارنگی اور کثرت کے باوجود ان سب میں کچھ ایسی قدریں
مشترک ہیں کہ سب الگ الگ ہوتے ہوئے بھی ایک ہیں۔ اس وحدت میں کثرت ہے اور رنگارنگی تہذیب کی سب سے بڑی مظہر اردو زبان ہے۔ جو ہمارے ملک کو ایرانی تہذیب کی سب سے بڑی دین ہے۔

زبانوں کا بننا، ترقی کرنا، قبولیت عام حاصل کرنا اور ایک ادبی شکل اختیار کرنا نہ ایک دن کا کام ہے نہ ایک شخص یا ایک قوم کا۔ اس عمل میں صدیاں لگتیں ہیں اور اس طویل مدت میں اس ملک کے بسنے والے خواہ وہ کسی قوم فرقے قبیلے صوبے یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں اپنے اپنے عمل سے اس کی عمارت تعمیر کرتے ہیں۔ اردو بھی ایسے عمل کی پروردہ ایک زبان ہے جو روز

اول ہی سے ہر قوم اور ہر مذہب کی ملی جلی کوششوں سے پلی اور بڑھی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اردو یکجہتی کی پیدوار ہے۔ ابتداء ہی سے اس میں ہماری رنگا رنگ تہذیب کی مشترکہ خصوصیات جھلکتی رہی ہیں۔ یہ ان تمام گذشتہ اور موجودہ تہذیبوں کا سنگم ہے جو ہندوستان میں وقتاً فوقتاً پھولتی رہیں۔ اس میں سنسکرت نے اپنا رس گھولا ہے، برج بھاشا، کھڑی، اودھی، مراٹھی، گجراتی، بنگالی، پنجابی، فارسی، ترکی، عربی، انگریزی اور تیلگو نے اپنے اپنے اثرات کو داخل کیا۔ یہ ہر تبدیلی اور انقلاب کی خاموش شاہد نہیں بلکہ اچھائیوں کو سمیٹنے اور اندرونی کثافتوں کو دور کرنے کے لیے ہمیشہ آمادہ اور تیار رہی ہے۔ سنسکرت اور دراوڑی زبانوں کا امتزاج، عرب وعجم کا امتزاج اور آخر میں مشرق ومغرب کا امتزاج اور ہندوستان میں ترقی کرتی ہوئی علاقائی زبانوں کے گہرے رابطے سے ابھرنے والا امتزاج، یہ سب لسانی یکجہتی کی روایت کا اہم حصہ ہے۔

بازاروں، خانقاہوں اور درباروں نے لسانی یکجہتی کے لیے خود کو ایک پلیٹ فارم کے طور پر پیش کیا۔ ان جگہوں سے ایک فرقے کی زبان دوسرے فرقے تک پہنچی پھر ان کے مشترکہ عناصر سے لسانی یکجہتی کی شکل میں اردو نے جنم لیا۔ سیاسی اور سماجی اعتبار سے اردو نے تفریقوں کو مٹانے کے سلسلے میں بڑا کام کیا۔ شہروں، قصبوں اور دیہاتوں کے بازاروں میں جہاں تاجر اور خریدار تماشا گر اور تماشائی ایک دوسرے تک اپنی بات پورے زور اور خلوص سے پہنچانے کو ضروری سمجھتے تھے۔ اس نے مختلف علاقوں اور مختلف بولیاں بولنے والوں سے تعلقات استوار کیے اور عام سودے کے علاوہ کبھی دل کا سودا کیا اور کبھی زبان اور روایات کا لین دین۔

خانقاہوں میں لوگ منتیں مرادیں مانگتے اور سکون وآشتی اور نجات کی تلاش کرتے۔ سماع کی محفلوں میں روحانی نغمے گونجتے اور آخرت کو سنوارنے کے طریقے سوچے جاتے۔ پیر سے لے کر مرید تک سب اس زبان کو وسیلہ بناتے۔ درباروں کا یہ حال ہے کہ قلعہ معلیٰ سے لے کر گولکنڈہ، بیجا پور احمد نگر، گجرات، اودھ، ٹانڈہ، عظیم آباد، حیدر آباد، مرشد آباد، میسور اور کشمیر کے راج درباروں میں یہ زبان اپنی دلکشی سے حاکم محکوم کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔ مذہب اور رسم ورواج میں لسانی یکجہتی کا یہ حال ہے کہ ہندو نعت ومنقبت اور مرثیہ لکھتے ہیں اور مسلمان رام کرشن کے نغمے

گاتے ہیں۔ ہولی اور بسنت پر بھی اس طرح وجد کرتے ہیں جیسے عید اور نوروز پر کوئی ادویت واد کے راگ الاپتا ہے اور کوئی وحدت الوجود کے گیت گاتا ہے۔ ظاہری مذہب سے بیزاری، وحدت ادیان کا واضح احساس اور قومی، سیاسی اور سماجی وحدت کا تصور اردو کے لیے بھی اجنبی نہیں رہا۔

چونکہ اردو کی ابتدائی ترویج و ترقی میں صوفیوں کا بہت بڑا حصہ رہا ہے اور انھوں نے اپنے پیغام محبت کو جس عام اور ملی جلی بولی میں عوام تک پہنچایا وہی بعد میں اردو قرار پائی اس لیے اس میں محبت، رواداری، صبر وضبط تحمل، وسیع النظری اور وسیع القلبی، ہر ایک کے لیے احترام وعقیدت کو سب سے زیادہ جگہ ملی جوان صوفیاء کی تعلیم کی روح تھی۔ ان صوفیوں نے ذات وکائنات اور عبد ومعبود کے رشتے کو محبت، رواداری اور احترام جذبات کو سمجھانے کی کوشش اسی زبان میں کی۔ صوفیاء کا کہنا تھا اگر اس تک کوئی پہنچنا چاہتا ہے تو ہر انسان سے محبت اور ہر اچھے عقیدے کا احترام کرنا ہوگا۔ صوفیوں کی یہی تعلیم اردو کی بنیاد ہے۔ خواجہ بندہ نواز گیسودراز سے لے کر قلی قطب شاہ تک اردو میں یہ محبت اور یکجہتی عام طور پر حکمراں شکل میں ملے گی۔

اس یکجہتی کی دوسری شکل ہندوستانی تخیل اور ہندو تہذیب کی صورت میں ملتی ہے، جہاں ہم دیکھتے ہیں کہ عام مسلمان اردو شعراء نے ہندوستانی تخیل اور ہندو رسم ورواج، تہذیب، ہندو دیو مالا اور تلمیحات کو پیش کیا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ایسے موقعوں پر یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ تخیل یا تلمیحات شاعر کی اپنی نہیں ہیں۔ وہ اس سارے ماحول میں اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا ہے۔

لسانی یکجہتی میں ایک بات اور نظر آتی ہے وہ یہ کہ ایک مذہب کے شاعر نے دوسرے مذہب کے دیوتاؤں، اوتاروں، پیغمبروں، مقدس صحیفوں یا مذہبی رہنماؤں کی تعریف کی ہے اور ان کی خدمت میں نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ اس عمل میں صرف رسم کی ادائیگی نہیں کی گئی ہے بلکہ اس میں شاعر کے دل کی آواز اور اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی عقیدت کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ اردو ادب وشاعری میں انسانیت کا تصور اور دوسروں کے جذبات کا احترام نظر آتا ہے۔ اس میں مذہب اور اس کی تعلیمات سے الگ خالص انسانیت کا ایک تصور ہے جس میں ہنگامہ وفساد

اور قتل و غارتگری کے زمانے میں بھی اعلیٰ انسانی قدروں کے لیے جان دینے والے مذہب یا دشمنی یا اختلاف عقائد کے بارے میں سوچے بغیر مصیبت میں گرفتار انسان کی مدد کرنے والے کردار بھاری تعداد میں مل جائیں گے۔ دراصل اردو کا خمیر ہندو اور مسلمانوں کے برسہا برس کے میل جول اور تعلقات سے تیار ہوا ہے اس کی آبیاری میں ملک کے تمام طبقوں نے بلا لحاظ مذہب وملت، رنگ ونسل اور فکر ونظر اپنا لہو خرچ کیا ہے۔ اسے پروان چڑھانے میں تمام ہندوستانیوں نے ذہنی اور علاقائی حد بندیوں سے اوپر اٹھ کر مخلصانہ خدمات انجام دی ہیں۔ اگر اسی بات کو الٹ کر یوں کہا جائے کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں میں میل جول اور باہمی تعلقات پیدا کرنے میں لسانی یکجہتی کے طور پر اردو نے اہم رول ادا کیا ہے تو بے جا نہ ہوگا بلکہ یہ ایک لسانی ضرورت ہی تھی جس نے باہر سے آئے ہوئے لوگوں، اجنبیوں اور حملہ آوروں اور عام ہندوستانیوں کے درمیان کھائی پاٹنے کا کام کیا ہے۔

آریہ جو زبان ہندوستان لے کر آئے تھے اس نے دراوڑی اور دوسری مقامی بولیوں سے اختلاف کر کے صدیوں میں جو زبان کا کینڈا تیار ہوا اور شدھ سنسکرت سے ہٹ کر مقامی بولی کی شکل آپ بھرنش سے پیدا ہونے والی ہندوستانی زبانوں پنجابی، ہریانوی، گجراتی، مراٹھی اور مغربی ہندی پھر کھڑی بولی سے پیدا ہونے والی ہند آریائی تہذیب کی علمبردار ہند آریائی زبان اردو نے ہندوستانیوں کو دکن سے شمال تک جتنا قریب کیا ہے اتنا کسی اور زبان نے نہیں کیا۔

پروفیسر مسعود حسین خاں لکھتے ہیں:

''اردو زبان وادب از قدیم تا حال کثرت میں وحدت پیدا کرنے کا بہترین وسیلہ رہا ہے۔ اس زبان کی پیدائش ایک غیر شعوری لسانی سمجھوتے کے تحت ہوئی ہے۔ یہ سمجھوتہ اسلامی ایرانی اور ہند آریائی زبان کی ایک نمائندہ بولی کے درمیان صدیوں کے تاریخی عمل کے زیر اثر ظہور پذیر ہوتا رہا ہے اور پھر اس مکمل طریقے پر کہ صوتیات کی سطح سے لے کر صرف ونحو اسالیب بیان تک ہر جگہ باہمی لین دین کے اثرت پائے جاتے ہیں اردو نے کافی عرصے تک نہ صرف قومی یکجہتی کی ضروریات کو پورا کیا ہے بلکہ یہ کسی حد تک عالمی یکجہتی کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ قومی یکجہتی کے وفور میں ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اردو ہندی نثراد ہوتے ہوئے مشرق وسطی کی تہذیبی

ولسانی اثرات کی آئینہ دار بھی ہے۔عربی زبان اور اسلامی تہذیب جن کی مشرق میں توسیع کا سلسلہ آٹھویں صدی سے شروع ہوجاتا ہے اپنے ثقافتی عروج پر عہد مغلیہ میں پہنچتی ہے۔''

سکندر شاہ لودی نے دلی کا دارالخلافہ اجاڑ کر جب برج بھاشا کے علاقے آگرہ کو راجدھانی بنایا تو اردو نے برج کی توانائی کو اپنانا شروع کیا۔اکبر کی مذہبی رواداری نے اس میں چار چاند لگا دیے۔اسی زمانے میں سنسکرت کے عظیم ادبی کارنامے فارسی میں منتقل ہوئے۔ان میں رامائن''مہابھارت''اوراتھروید جیسی کتابیں بھی تھیں۔دونوں مذاہب ایک دوسرے کے قریب آنے لگے۔ایک طرف کبیر نے اپنے دوہوں سے اتر پریش میں اور گرونانک نے اپنے روحانی نغموں سے پنجاب اور سندھ میں تصوف اور ویدانت کے دھاروں کو ایک دریا بنا دیا۔عربی اور فارسی کے پرستاروں میں عبدالرحیم خانخاناں نے اپنے ہندی دوہوں سے دھوم مچادی۔برج بھاشا کے شاعروں کا مجمع بھی مخلوط تھا۔رحیم کے علاوہ سورداس،برمانند داس،عالم شیخ،آزاد خاں محبوب، حافظ موسیٰ،مبارک گھنانند،کیشو داس،ہری داس اور رام داس وغیرہ پہلو بہ پہلو بزم آرا ہوئے ہیں یہ روایت جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں بھی چلتی رہی اور پھر شاہجہاں کے دور میں دہلی ایک بار پھر پایہ تخت بنا تو راج پاٹ میں فارسی کا بول بالا رہا لیکن عوام نے اردو کی آبیاری کی۔دکن کی ادبی مرکزیت کے ختم ہونے کا اعلان کرتے ہوئے ولی شاہجہاں آباد آپہنچتے ہیں اور دہلی کے گلی کوچے عشق وتصوف کے ترانوں سے گونج اٹھتے ہیں۔ہندی مزاج ورسوم کا شمول اردو کی گہری ہندوستان پرستی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔شاعروں کے پیشوں پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ ان میں صوفی اور عالم ہی نہیں بلکہ سیاسی،معمار،تاجر،حجاج،لوہار،سنار،بزاز،کاریگر مہاوت اور کہار سبھی ہیں۔مذاہب میں دیکھئے تو ہندو مسلمان،سکھ اور عیسائی سب ایک ہی بزم کی رونق بڑھا رہے ہیں۔سب ایک فرش مشاعرہ پر جمع ہوتے ہیں۔محمود وایاز کی یکجائی کے ایسے مواقع اس دور میں اور کہاں نظر آتے تھے۔

کتابیات

(1) تاراچند ترجمہ شمیم حنفی، قومی یکجہتی اور سکولرزم، دہلی 1975ء

(2) سید عابد حسین، قومی تہذیب کا مسئلہ، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1980ء

(3) سید احمد دہلوی، رسوم دہلی، اردو اکادمی، دہلی 1986ء

(4) محمد عمر، ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر، پبلیکیشنز ڈویژن، نئی دہلی، 1975ء

(5) محمد عمر، اٹھارہویں صدی میں ہندوستانی معاشرت، جمال پرنٹنگ پریس، دہلی، 1973ء